ماہنامہ

منادی

نئی دہلی

بارگاہِ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی کا



منادیا ینادی للایمان

بارگاہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ

محبوب الٰہیؒ سے ایمان اور امن کی ندا دینے والا

اور ان کے جانشین

امام المشائخ شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی یادگار

ماہنامہ

منادی

نئی دہلی

منادی ۱۹۲۶ء سے جاری ہے یہ ۵۴ ویں جلد ۱۹۸۰ء کا آٹھواں، نواں شمارہ ہے

ایڈیٹر

خواجہ حسن ثانی نظامی

معاون مدیر

خواجہ سید مہدی نظامی

درگاہ شریف اور منادی کے بارے میں خط و کتابت کرنے اور قیمت جمع کرانے کا پتہ:

خواجہ حسن ثانی نظامی

ڈاکخانہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نئی دہلی

سالانہ قیمت	پندرہ روپے
غیر ممالک سے	تین پونڈ
فی پرچہ	ایک روپیہ ۵۰ پیسے

سرخ لکیر

عنوان کے پیچھے ایک سرخ لکیر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی ادا کردہ منادی کی قیمت اس شمارے سے ختم ہو گئی اور دو لکیروں کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ شمارے سے ختم ہو جائے گی۔ جلد منی آرڈر کے ذریعہ قیمت بھیج کر ممنون فرمایئے یا وی پی کی اجازت دیجیے۔ وی پی میں آپ کے تین روپے پچیس پیسے زائد خرچ ہوں گے۔

(منیجر)

فہرست

پرنٹر پبلشر خواجہ حسن ثانی نظامی نے خواجہ پریس جامع مسجد دہلی سے چھپوا کر درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳ سے شائع کیا۔

انتخاب فوائد الفواد

ملفوظات سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہیؒ

تلخیص و ترجمہ حسن ثانی نظامی

صوفی کا مال سبیل اور خون مباح ہے

حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ بعض لوگ منبر پر بھی اور دوسری جگہوں پر بھی آپ کا بدگوئی کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں۔ اور ہم سے یہ نہیں سنا جاتا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کر دیا۔ وہ بھی کیا جگہ ہے جہاں لوگ کسی کی دشمنی اور مخالفت میں مشغول ہوتے ہیں مجھے تو جو کوئی بھی برا کہتا ہے۔ میں اسے معاف کر دیتا ہوں تمہیں بھی چاہیے کہ معاف کر دو اور اس شخص سے جھگڑا نہ کرو۔

اس کے بعد فرمایا کہ اندرپت کا رہنے والا چھجو مجھے برابر برا (بھلا) کہتا رہتا تھا اور میرا برا چاہتا تھا۔ برا کہنا تو پھر بھی آسان ہے۔ لیکن برا چاہنا اس سے بھی بدتر ہے الغرض جب وہ (چھجو) مر گیا میں تیسرے دن اس کی قبر پر گیا اور دعا کی کہ اے اللہ اس نے میرے حق میں جو کچھ برا (بھلا) کہا اور میرا برا چاہا میں نے اس کو معاف کر دیا۔ تو میری وجہ سے اسے سزا نہ دیجیو۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ اگر دو اشخاص کے درمیان جھگڑا ہو تو اچھا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنا دل صاف کر لے۔ جب ایک آدمی اپنے اندر سے دشمنی نکال دے گا تو دوسرے کی طرف سے بھی ایذا رسانی کم ہو جائے گی اس کے بعد فرمایا کہ لوگ اس برا (بھلا) کہنے سے رنجیدہ کیوں ہوتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ صوفی کا مال سبیل ہے اور اس کا خون مباح۔ جب معاملہ یہ ہو تو کسی کے بُرا کہنے کی وجہ سے خصومت کیوں رکھی جائے!۔

خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا:

جمال احمد نظامیؒ

— کچھ تاثرات

پروفیسر نثار احمد فاروقی

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

جمال احمد نظامی مجھ سے سال، ڈیڑھ سال ہی بڑے تھے۔ میں انھیں چھنن بھائی کہا کرتا تھا۔ ان کی ساری زندگی بچپن سے آخر دم تک کی نظروں کے سامنے ہے، اس لیے کچھ لکھنا سخت دشوار معلوم ہوتا ہے۔ مولوی شریف احمد نظامی مرحوم کا مردانہ مکان مختصر مگر بڑی بارونق جگہ تھی جس میں دیواروں پر بارہ سنگھوں کے سینگ لگے ہوئے تھے، کمرے میں چھوٹی بڑی درجنوں تصویریں اور طغرے آویزاں تھے۔ بعض کتبے خواجہ حسن نظامی مرحوم کے ادارہ منادی کی طرف سے چھپے ہوئے تھے جیسے "ساری دنیا ہماری ہے"، "ہم سب خدا کے ہیں" وغیرہ پرانی وضع کی آرام کرسیاں، مونڈھے، میزیں وغیرہ تھیں۔ ایک طرف تخت پڑا ہوا تھا جس پر دری اور جاجم بچھی رہتی تھی۔ ہم بچپن میں اسی مکان میں ساتھ کھیلتے تھے۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی بھی اسی مکان میں قیام فرماتے تھے۔ میری سب سے پہلی تصویر اسی مکان میں ایک گروپ کے ساتھ ہے جو خواجہ صاحب کی تشریف آوری کے موقع پر ہوا تھا۔ اس گروپ فوٹو میں میری عمر ڈھائی سال سے زیادہ نہیں ہے۔ اسی مکان میں اکثر بیاہ شادی کی محفلیں ہوتی تھیں جن میں سے بہت سی اب تک یاد ہیں۔ ایک بار ہم نے غالباً ۱۹۴۵ء میں اسی جگہ الیکشن بھی لڑایا تھا۔ میں کانگریس کا امیدوار تھا اور جمال بھائی مسلم لیگ کے ٹکٹ پر تھے۔ نتیجہ ظاہر تھا وہ اپنے جوڑ توڑ سے کامیاب ہو گئے تھے۔ اس میں وہ بچپن سے ہی بہت زیرک تھے۔ کئی سال بعد غالباً ۱۹۴۸ء میں امام المدارس میں طلبہ کی یونین کے صدر کا الیکشن ہوا۔ میں بھی اس میں امیدوار تھا۔ جمال بھائی نے اس وقت میری بہت مدد کی تھی۔ ان کی وجہ سے طلبہ کی ایک بڑی تعداد ہمارے ساتھ ہو گئی تھی۔ جمال بھائی نے اعلیٰ درجے کے میٹھے اور تازے سنگھاڑوں کا ایک بہت بڑا ٹوکرا سبزی منڈی سے لاکر اسکول کے میدان میں رکھ دیا تھا اور سب ووٹروں نے سنگھاڑے کھا کھا کر ووٹ ڈالے تھے۔ بعض کو خصوصی مراعات کے طور پر ٹافیاں بھی تقسیم کی گئی تھیں۔ ووٹ تو مجھے ہی زیادہ ملے تھے مگر دوسرا امیدوار "کامیاب" ظاہر کیا گیا۔ جو استاد اس الیکشن کے اس وقت انچارج تھے۔ وہ بعد کے زمانے میں میرے دوست ہو گئے تھے۔ اور انھوں نے اقرار کیا تھا کہ اس الیکشن

[illegible] پروفیسر خلیق احمد نظامی اور خلیل احمد نظامی صاحب کے رشتے کے بھائی، حضرت بابا فریدؒ کی اولاد میں تھے۔ امروہے میں حضرت بابا صاحبؒ کے تبرکات ان ہی کی تحویل میں ہیں۔ (ادارہ)

کا نتیجہ بے ایمانی سے ظاہر کیا گیا تھا۔

۱۹۴۷ء کے وسط میں میں حیدرآباد چلا گیا تھا۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد وہاں سے آیا ۱۹۴۸ء میں پھر امام المدارس میں داخلہ لیا مگر ۱۹۴۹ء میں کالج چھوڑ دیا تھا۔ اور جس ایکشن کا ذکر ہوا یہ اسی زمانے کا واقعہ ہے، ممکن ہے ۱۹۴۸ء کا قصہ ہو، یہ زمانہ بڑی شکست و ریخت اور پریشانیوں کا دور تھا۔ کسٹوڈین کے محکمہ نے ہر خاندان کو بے حال کر رکھا تھا، ادھر قافلوں پر قافلے زیادہ رذیل تھے محلے کے محلے خالی ہوتے جا رہے تھے، افراتفری اور سراسیمگی کا چھٹے دہے میں (۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کے درمیان) تو یہ عالم تھا کہ امروہہ کی گلیوں میں یا تو بوڑھے آدمی ملتے تھے یا بچے۔ نوجوان اور نوکری کی صلاحیت رکھنے والے کوچ کرتے جا رہے تھے۔ جمال بھائی کے خاندان والے بھی پاکستان چلے گئے اور وہ یہاں تنہا رہ گئے۔ اب یہاں سے وہ زمانہ شروع ہوتا ہے جو ان کے عزم و ہمت، استقلال، حسن تدبیر اور شرافت و استقامت کی پوری آزمائش کا دور تھا۔ وہ جن حالات سے اور جس طرح گزرے دوسرا کوئی بھی ہوتا تو کبھی کا زیر ہو جاتا۔ ماں، باپ، بہن، بھائی سب پاکستان ہیں۔ تنہا جمال بھائی ہندوستان میں۔ مردانہ مکان کسٹوڈین نے ایک پنجابی کو الاٹ کر دیا تھا۔ اس کا سب سامان پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ گھر میں کچھ بھی کوڑی کو اٹھانے نہیں تھے۔ ویران کھنڈر پڑا ہوا تھا۔ یہ مولوی عزیز احمد نظامی مرحوم کے مکان کے بالائی حصہ میں تنہا رہتے تھے۔ گھر میں کب آتے تھے، کب کھانا کھاتے تھے کب سوتے تھے، کسی چیز کا ٹھکانا نہیں تھا۔ گھر کی تنہائی میں بیٹھ کر آنسو بہا لیتے تھے منھ باہر نکلے تو وہی چہلیں، ہنسی، دل لگی، قہقہے، لطیفے، چٹکلے، چھیڑ خانی مختلف لوگوں کی ہو بہو نقلیں۔ کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ شخص کئی دن سے اچھی طرح کھانا بھی نہیں کھا سکا ہے۔ جاڑوں میں ایک بار پورا لبستر بھی نہیں

تھا۔ تو دری قالین وغیرہ لپیٹ کر یا اوورکوٹ پہن کر ہی سو جاتے تھے۔ ان کا اس زمانے میں ایک دلچسپ شغل یہ تھا کہ کسی کا گھوڑا تانگہ لے کر سارے شہر کا چکر لگاتے اور دور تک دھاوے مار کر آتے تھے۔ اس سیر کی بدولت بھی سارے شہر سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ رات کو وہ بارہ بجے ایک بجے تک ریلوے اسٹیشن پر گشت کرتے تھے۔ قلیوں اور مزدوروں سے لے کر اسٹیشن ماسٹر تک سب ان کے بے تکلف دوست تھے۔ ان کی باتیں ہی ایسی ہوتی تھیں کہ ہر شخص گرویدہ ہو جاتا تھا۔ سب ان کو نواب صاحب کہتے تھے، یہ بھی انھوں نے ایک بھرم بنا رکھا تھا۔ اسٹیشن سے اکثر رات کو ایک دو بجے بزرگوں کے مزارات پر جاتے تھے۔ اکثر حضرت شاہ ولایتؒ کی درگاہ میں، یا حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ کے آستانہ پر یا حضرت خواجہ شاہ عبدالہادیؒ کی درگاہ میں۔ شہر میں کسی بزرگ کا مزار ایسا نہ تھا جہاں وہ حاضری نہ دیتے ہوں! نہایت عقیدت اور محبت سے اس آستانے کی خدمت کرتے تھے۔ محلہ میں حضرت جھنڈا شہیدؒ کے مزار مبارک کی دیکھ بھال انھوں نے اپنے ذمے لے رکھی تھی، حضرت شیخ چاند فاروقی حضرت حاجی عبدالغفور فاروقی کے مزارات کا بھی دھیان رکھتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالغفورؒ کے روضہ کو تو انھوں نے ہی دریافت کیا تھا۔ اور وہاں اپنی نگرانی رکھتے تھے۔ اس کا اندراج وقف بورڈ میں بھی کرا دیا تھا۔ حضرت شیخ العالم بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمہ کا عرس و فاتحہ ۵ محرم کو بڑے اہتمام اور پابندی سے کرتے تھے۔ حضرت بابا صاحبؒ کے جو تبرکات امروہہ میں اب تک محفوظ ہیں۔ ان کی زیارت نماز عید الفطر کے بعد محلہ جھنڈا شہید کی مسجد میں جمال بھائی ہی کراتے تھے۔

حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ کے روضہ پر خاندانی قبرستان کی بھی مسلسل دیکھ بھال رکھتے تھے۔

روضہ کی انھوں نے بڑی خدمت کی۔ ان بزرگوں کی بھی ان پر نظرِ عنایت ضرور تھی۔

ایک بار انھوں نے مجھے بتایا کہ مقدمہ کی تاریخ تھی اور ان کے پاس خرچ کے لیے ایک پھوٹی کوڑی نہیں تھی۔ سخت پریشان تھے۔ رات کو دو بجے حضرت شاہ ولایتؒ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ فاتحہ پڑھ کر مزار کے پائیں میں بوسہ دینے کے لیے ہاتھ رکھا تو سَو روپے کا ایک نوٹ ان کے ہاتھ میں تھا۔ اسی کو لے کر صبح کو مرادآباد گئے۔ بزرگوں کے مزاروں پر جانا، وہاں صفائی کرنا، ٹوٹ پھوٹ کی مرمت کرنا، چراغ اور اگربتی وغیرہ جلانا، فاتحہ پڑھنا اور تھوڑی دیر مراقب ہو کر بیٹھنا ان کا ایسا مشغلہ تھا جس سے وہ روحانی لذت حاصل کرتے تھے۔ اس کے سوا کبھی امروہہ کے پرانے قبرستانوں کی معلومات سب سے زیادہ جمال بھائی کو تھیں۔ وہ انساب اور رشتوں کی بھی واقفیت رکھتے تھے۔ اکثر ہم ان سے پوچھتے تھے کہ کس کا کس سے رشتہ کیا تھا؟ یہی نہیں کہ وہ صرف قبروں سے دلچسپی رکھتے ہوں، زندوں میں بھی ان سے زیادہ زندہ دل کوئی نہ تھا۔ ہر ایک کے ساتھی، ہر ایک کے غم گسار تھے۔ شادی و غمی کی رسموں اور روایتوں کا بہت خیال رکھتے تھے، دوسروں کو بتاتے تھے کہ کیا کرنا ہے، کیسے کرنا ہے۔ لوگ بھی طرح طرح کے کاموں میں ان سے مشورہ کرتے اور مدد لیتے تھے۔ کسی کا مقدمہ ہے، کسی کا کاروبار ہے، کسی کو باغ یا زمین بیچنی ہے، کسی کو کچھ خریدنا ہے، کسی کی منگنی یا شادی ہے، کسی کا چہلم ہے، کسی کا عرس ہے، کوئی مکان بنوانا چاہتا ہے، غرض جتنے دنیا کے بکھیڑے ہیں ان میں سب سے زیادہ صائب اور پختہ رائے جمال بھائی کی ہوتی تھی۔ اس لیے لوگ انھیں گھیرے رہتے تھے۔

جس بے سروسامانی کا میں نے اوپر تذکرہ کیا اس عالم میں انھوں نے اپنے زنانے مکان کو پہلے کسٹوڈین کے چنگل سے نکالا۔ پھر اس کا آدھا حصہ محترم مسعود احمد نظامی مرحوم کے ہاتھ فروخت کرکے اس قیمت سے اپنے رہنے کے لیے ایک حصہ دوبارہ تعمیر کیا۔ پھر دیوان خانے کو بھی کسٹوڈین کے جبڑوں میں سے نکالا۔ اپنے دادا مولوی شریف احمد نظامی اور ان کے بھائیوں کا ایک باغ جو اسٹیشن کے سامنے ہے اسے بھی ہر ناجائز قسم کے مقدمہ بازوں سے قانونی چارہ جوئی کرکے اس پر اپنا قبضہ مکمل کیا۔ اسٹیشن پر متعدد دکانیں بنوا کر انھیں کرایہ پر اٹھایا، اور مردانے مکان کو ایک پرائمری اسکول کے لیے دیا۔ اس طرح اپنی وجہ معاش پیدا کی۔ وسائلِ معاش کو نقطۂ صفر سے آغاز کرنا اتنا قابلِ تعریف نہیں ہے، جتنا انھیں کھو کر دوبارہ حاصل کر لینا۔ اس سے کسی فرد کی ہمت اور تدبیر کا اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں نے برسوں مقدمہ بازی کی اور عدالتی معاملات میں اتنے ماہر ہو گئے تھے کہ میرے پھوپھا مولوی عزیز احمد صاحب نظامی مرحوم جو بڑے تجربہ کار وکیل تھے۔ یہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر جھن قانون پڑھ لیتا تو آسمان میں تھگلی لگا دیتا۔" سمجھ بوجھ کے علاوہ وہ اس لیے بھی جیت گئے کہ انھیں کاغذ کے ذرا سے پرزے کو بھی محفوظ رکھنے کا سلیقہ آتا تھا۔ ان کے پاس رسیدیں، ٹکٹ، خطوط، تصاویر، اخبار کی خبروں کے تراشے اور ایسی معمولی معمولی چیزیں بڑے اہتمام سے محفوظ تھیں جن کا ہم خیال بھی نہیں کرتے۔ ایسی ہی بعض چیزوں کی بدولت وہ مقدمہ جیت گئے۔

جمال بھائی کی خوش مذاقی اور ہنگامہ آفرینی کی وجہ سے ہر زمانے میں لوگ انھیں گھیرے رہے اور اس ہجوم نے انھیں پڑھنے میں دل لگانے کا موقع نہیں دیا۔ نتیجہ یہ کہ وہ کئی بار کوشش کرکے ہائی اسکول کا امتحان بھی پاس نہ کر سکے۔ مگر وہ غیر معمولی طور پر ذہین اور معاملہ فہم انسان تھے اور ذرا سے اشارے سے بات کو سمجھ جاتے تھے۔ ایک بار میرے ساتھ بازار جا رہے

تھے۔ کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر کچھ ہنگامہ نظر آیا۔ بھیڑ جمع ہو چکی تھی اور ایک صاحب اور صاحبزادے گتھم گتھا تھے۔ جمال بھائی دیکھتے ہی کہنے لگے۔ اس لڑکے کو امتحان میں نقل کرتے ہوئے پکڑا ہوگا تو اس نے یہاں بازار میں ماسٹر پر حملہ کیا ہے۔ بعد میں تحقیق ہوا تو یہی بات تھی۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیسے جان لیا؟ کہنے لگے "میاں امتحانوں کا زمانہ ہے اور وہ شخص ماسٹر ہے۔ مارنے والا کسی دیہات کا طالب علم معلوم ہوتا ہے۔ ان سب باتوں سے انھوں نے چند سکنڈ میں یہ نتیجہ برآمد کر لیا تھا۔

ان کی ایک خصوصیت ہو تو ذکر کروں۔ رہ رہ کر بیسیوں باتیں یاد آ رہی ہیں۔ اتنی خوش طبعی کے باوجود وہ کبھی "گستاخی" نہیں کرتے تھے۔ ان کی چھیڑ چھاڑ سے کبھی کوئی ناراض بھی نہیں ہوا۔ بڑوں کا پورا احترام کرتے تھے مگر دبے لفظوں میں اپنی بات بھی کہہ گزرتے تھے۔ شوخی ان کو نئی سے نئی سوجھتی تھی۔ ڈاک خانے میں ایک پستہ قد صاحب پنجوں کے بل کھڑے ہوئے ڈاک خانے کے کلرک سے کچھ باتیں کر رہے تھے جو کھڑکی کی دوسری جانب بیٹھا تھا۔ جمال نظامی نے دو چھوٹی چھوٹی اینٹیں اٹھا کر چپکے سے جا کر ان پستہ قد صاحب کی ایڑیوں کے نیچے رکھ دیں۔ انھیں احساس ہوا تو خود بھی دیر تک ہنستے رہے۔ سید ثروت حسن رضوی مرحوم غصے سے جلدی بھڑک اٹھتے تھے۔ اس لیے انھیں چھیڑنے کا موقع جمال بھائی ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ حاجی سید محمد رضوی مرحوم کی تدفین میں دعا مانگتے وقت یہ ثروت بھائی کی پشت پر کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر نہایت خشوع و خضوع سے آہستہ آہستہ دعا کرنے لگے اس طرح کہ ثروت بھائی سن لیں اور دوسرے لوگ نہ سن سکیں کہ "یا اللہ یہ دن ہمارے ثروت چچا کو بھی نصیب کیجیو" یہ سن کر ثروت بھائی مرحوم غصے سے الف ہو گئے، سب لوگ حیران تھے کہ کیا بات ہوئی مگر جمال بھائی نہایت معصوم صورت بنائے ان کی پھٹکار سنتے رہے۔ ثروت بھائی مجرد تھے اور تنہا رہتے تھے۔ بیوی بچوں کا جھمیلا ان کے ساتھ نہ تھا۔ ایک بار کسی شادی کے گھر میں جہاں بہت سے مرد عورتیں جمع تھیں، زنان خانے سے کوئی چیز منگوانی تھی جمال بھائی نے بڑے بھولے پن سے ثروت چچا سے کہا کہ "چچا آپ کو تکلیف تو ہوگی ذرا اندر زنان خانے سے فلاں چیز لے آئیں"۔ چچا نے بھڑک کر کہا کہ "میں اندر جا سکتا ہوں تو تم کیوں نہیں جا سکتے؟" جمال بھائی نے بڑے بھولے منہ سے کہا کہ "چچا آپ معصوم ہیں!"

پھبتی کسنے اور مثال یا تشبیہہ دینے میں تو ان کا جواب ہی نہ تھا۔ ایسی برمحل اور فوری بات سوجھتی تھی کہ سننے والے بے ساختہ ہنس پڑتے تھے۔ یہاں ایک لطیفہ لکھے بغیر نہیں رہا جاتا۔ امروہہ میں ایک صاحب عطر فروش تھے جنھیں سب "میر صاحب" کہا کرتے تھے۔ ان کی چھوٹی سی داڑھی تھی، عمر ۷۰-۷۵ سال ہوگی، اپنا عطر کا بقچہ بغل میں دبائے شہر میں گھومتے تھے، جہاں دو چار آدمیوں کو باتیں کرتے دیکھتے وہاں ٹھہر جاتے اور کبھی گفتگو میں شریک بھی ہو جاتے تھے۔ ایک بار جمال بھائی بازار میں کسی سے باتیں کر رہے تھے کہ میر صاحب وہاں آ کر دخیل ہو گئے انھوں نے معاً گفتگو کا رخ بدل دیا، نہایت سنجیدہ اور پُر تشویش لہجے میں اپنے ساتھی سے کہنے لگے "یہ تو بڑا ظلم ہوا ہے۔ لوگ گھروں سے نکلنا بند کر دیں گے۔ اتنا ٹیکس تو کمر توڑ دے گا" وغیرہ۔ میر صاحب کا اشتیاق بڑھا، پوچھا: نواب صاحب کیا ہوا؟ کہنے لگے حکومت نے داڑھیوں پر ٹیکس لگا دیے ہیں مختلف سائز کی داڑھیوں پر الگ الگ شرح سے مگر دشواری یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء سے اب تک کا بقایا

بھی وصول کر رہے ہیں! میر صاحب نے پہلے یقین نہیں کیا۔ انھوں نے کہا چار دن سے قاضی محبوب احمد صاحب گھر سے نہیں نکلے ہیں، مولوی جمار مولوی اعجاز حسین مرحوم) بھی روپوش ہیں۔ میر صاحب نے ان دونوں بزرگوں کو کئی دن سے واقعی نہیں دیکھا تھا۔ اب ٹپٹائے اور چپکے سے ایک حجام کی دکان پر جاکر اپنی داڑھی منڈوا دی۔ بعد کو جب اس فراڈ کا انھیں احساس ہوا تو کہتے تھے کہ "جمال نے میری پچاس برس کی داڑھی منڈوا دی"۔

مشاعروں یا ادبی جلسوں میں جاتے تو ان کے فقروں سے محفل رات بھر گرم رہتی تھی۔ اور جب تک جمال بھائی نہ آجائیں مشاعرہ کا رنگ جمتا ہی نہ تھا۔ ایک بار مشاعرہ ہو رہا تھا۔ باہر ہلکی بوندا باندی تھی اور پُروائی چل رہی تھی۔ ناظم مشاعرہ نے کسی شاعر کو دعوت سخن دی کہ اب "حضرت زخمی اپنا کلام سنا رہے ہیں"۔ جمال بھائی نے بے ساختہ کہا: "زخمی کو مت بلاؤ پُروا چل رہی ہے" ساری محفل قہقہوں سے گونج اٹھی۔ بہروپ ایسا بدلتے تھے کہ دن رات کے ملنے والے بھی دھوکا کھا جاتے تھے۔ ہندو کالج امروہہ میں چند سال قبل ایک آل انڈیا مشاعرہ ٹکٹ کے ساتھ ہوا۔ انھیں کسی نے دعوت نامہ نہیں بھیجا۔ اور ٹکٹ خرید کر جانا یہ اپنے لیے کسر شان سمجھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے دیکھا کہ مشاعرہ کی فہرست میں بوگس حیدر آبادی ایسے ہیں جو پہلے کبھی امروہہ نہیں آئے۔ چنانچہ یہ بوگس بن کر ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ اور اسٹیشن ماسٹر سے کالج کے پرنسپل کو ٹیلی فون کرایا۔ تھوڑی بعد چند حضرات اپنے عزیز مہمان کا استقبال کرنے موٹر لے کر اسٹیشن پر آگئے انھیں بڑے اعزاز و اکرام سے کالج لے گئے۔ جب اسٹیج پر پہنچ کر انھوں نے اپنا بہروپ اتارا تو سینکڑوں کا مجمع ہنسی سے بے حال ہو گیا تھا۔ رات کو اول وقت

ہمارے دروازے پر آکر کبھی فقیروں کی سی آواز لگاتے "مائی کچھ بھیج خدا کے نام پر" والدہ مرحومہ کچھ پیسے یا روٹی سالن لے کر جاتیں، دروازہ میں کچھ اندھیرا سا ہوتا تھا وہ پہچان نہ پاتیں اور انھیں پیسے یا روٹی سالن دیتیں کہ "لو سائیں" اور یہ دعائیں دے کر لے لیتے۔ پھر قہقہہ لگا کر گھر میں داخل ہو جاتے والدہ کہتیں لاؤ میرے پیسے واپس کرو تو کہتے کہ کیوں واپس کروں یہ میری محنت کی کمائی ہے! محلہ کیا سارے شہر میں ان کی دھاک تھی جدھر کو نکل جاتے قہقہے برساتے چلے جاتے۔ آواز ایسی کڑک دار تھی کہ دور سے ان کی آمد کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ امیر ہو غریب ہو، بوڑھا ہو، بچہ ہو، ہندو ہو، مسلمان ہو، مزدور ہو یا تحصیلدار اور کلکٹر ہو ہر ایک سے یکساں بے تکلفی سے ملتے تھے اور سب کا دل خوش کر دیتے تھے۔

ان کے دل میں غریبوں اور محتاجوں کا بھی بڑا درد تھا، جہاں تک ممکن ہوتا ان کی عملی مدد تو کرتے ہی تھے مالی امداد بھی کر دیتے تھے، ورنہ دوسروں کو ترغیب دے کر مدد کرا دیتے تھے۔ مجھ سے انھوں نے کئی بار کہا کہ فلاں شخص ضرورت مند ہے اس کی کچھ مدد کر دینا ان کے کہنے سے کوئی امداد کر دیتا تو ایسے خوش ہوتے تھے کہ جیسے یہ مدد انھیں پہنچی ہے۔ مزدور کو، رکشا والے کو ہمیشہ واقعی اجرت سے کچھ زیادہ ہی ادا کرتے تھے۔ اور دوسروں سے بھی کہتے تھے کہ زیادہ دے دیں۔ قوالی میں کبھی کبھی بے خود ہو جاتے اور نعرے لگانے لگتے تھے جس کا ساری محفل پر اثر ہوتا۔ انھوں نے ۵۳-۵۴ سال کی عمر پائی اور میں نے انھیں پچاس برس تک دیکھا مگر اب محسوس ہوتا ہے کہ وہ یکا یک چھپکے چلے گئے

بہ ملامت دلا کہ غم گساراں رفتند
شیریں دہناں و گل عذاراں رفتند
چوں بوئے گل آمدند برباد سوار
در خاک چو قطرہ ہائے باراں رفتند

ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کے تعلیمی وظیفے

ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی، نئی دہلی نے گزشتہ سال سے کل ہند سطح پر "ٹیلنٹ سرچ اسکیم" کے تحت انتہائی ذہین مسلم طلبہ کو وظیفے دینے کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، اس کے مطابق اب تک ۱۵۱ منتخب طالب علموں کو وظیفے یا کتابوں کے لیے گرانٹ دینے کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ سوسائٹی نے یہ وظیفے جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا، اپنے صدر حکیم عبدالحمید صاحب کے ایما پر اس لیے شروع کیے ہیں کہ ہونہار طالب علموں کو اپنی پڑھائی کے خرچ سے بڑی حد تک بے نیاز کرکے زیادہ انہماک اور لگن سے تعلیم حاصل کرنے کا موقع دیا جائے۔ جس سے آگے چل کر یہ لوگ اپنی صلاحیتوں کے بل پر اہم مقام حاصل کرکے ملک و ملت کا نام روشن کریں اور مختلف شعبوں میں قیادت کی کمی کو پورا کر سکیں۔

یہ وظیفے ہائی اسکول یا ہائر سکنڈری پاس کے لیے -/۲۵۰ روپے، انٹرمیجیٹ یا اس کے مساوی پاس کے لیے -/۳۵۰ روپے، گریجویٹ کے لیے -/۵۰۰ روپے اور سائنس کے مضمون میں پی ایچ ڈی کرنے والے امیدوار کے لیے -/۱۲۰۰ روپے ماہانہ کے ہیں۔ سوسائٹی کو اب ان مسلم طلبہ سے درخواستیں مطلوب ہیں جو ۱۹۸۷ء کے امتحان (سالانہ) میں نمایاں کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ وہ طالب علم جنھوں نے ہائی اسکول یا ہائر سکنڈری میں کم سے کم ۸۰ فی صد، انٹرمیجیٹ یا اس کے مساوی امتحان میں ۷۵ فی صد، بی اے یا ایم اے میں کم سے کم ۷۰ فی صد نمبر حاصل کیے ہوں، وہ مقررہ فارم پر اپنی درخواستیں ۱۵ دسمبر ۱۹۸۷ء تک بھجوا سکتے ہیں۔

یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مذکورہ نمبران درخواست بھیجنے کا حق فراہم کرتے ہیں، لیکن امیدوار وہی چنے جاتے ہیں جن کے نمبر سب سے زیادہ ہوتے ہیں اور جو ٹیسٹ اور انٹرویو کے مراحل میں بھی کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ مقابلہ امتیازی صلاحیت کا ہے، اور صلاحیت کے سلسلے میں کوئی مفاہمت یا رعایت نہیں کی جاتی۔

مزید تفصیلات اور وظیفہ فارم مندرجہ ذیل پتے پر خط بھیج کر منگایا جا سکتا ہے۔

سکریٹری
ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی
ہمدرد نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۶۲